ہندوستان میں فارسی زبان کی ترقی واشاعت

ایک مختصر تجزیہ

از: محمد حسن مظفری

در حقیقت بین الاقوامی قوانین اور ماحولیاتی مطالعات کا طالب علم ہونے کی وجہ سے میں بین الاقوامی روابط اور ماحولیاتی نقطۂ سے ادبی اور ثقافتی موضوعات کا مطالعہ و تجزیہ کیا کرتا ہوں اس میں کوئی شک نہیں کہ جملہ مخلوقات مثلاً جمادات، نباتات اور حیوانات ہی نہیں بلکہ ذہنی اور دماغی بیماری میں مبتلا انسان بھی محض مادی اور فطری وجود کے حامل ہوا کرتے ہیں اور صحیح و سالم انسانی وجود ان تمام مخلوقات سے مختلف اور نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ ان تمام مخلوقات کے ساتھ ساتھ انسانی وجود کو اپنی نشو نما کے لئے فطری اور سالم ماحول کی ضرورت ہوا کرتی ہے لیکن انسانی وجود کے معنوی اور روحانی پہلوؤں کو فروغ دینے کے لئے، جنہیں انسان کی ''انسانیت'' کا نام دیا جاسکتا ہے، فطری سالم ماحول کے علاوہ معنوی اور روحانی ماحول کی ضرورت ہوا کرتی ہے جس کو عقیدہ واخلاق، ارزش واقدار، عشق وعلم اور ادب وثقافت کہا جاتا ہے اور یہی وہ معنوی اور روحانی ماحول ہے جس کی آغوش میں انسان کی شخصیت اور اس کی ''انسانیت'' پروان چڑھتی ہے۔

تاریخ کے دوران فکر وخیال اور ادب وثقافت کے میدان میں انسان نے اپنی زندگی کے روحانی ماحول میں اور فرحت بخش نسیم کو پیغمبروں، اولیاء الٰہی، صالح بندوں اور دانشوروں کے سرو سینہ سے ٹکرا کر وسیع ولا محدود انسانی وشت میں چلتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے روح بخش نور کی شعاعوں کے سایہ میں بشریت کو ترقی کی منزلیں طے کر کے ''انسانیت'' کا رنگ وروپ اختیار کرتے دیکھا ہے لیکن اس مدت کے دوران کبھی کبھی اس پر کج فکری، فاسد اخلاقی اقدار، خود محوری اور ذاتی وجماعتی خود پرستی جیسی سیاہ اور منحوس ہوا کا سایہ بھی رہا ہے جس کی وجہ سے انسان کو بیماری اور رنج ومصائب کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔

ایران وہندوستان بالخصوص اس ملک کے بندرگاہی شہر گجرات کو سالم عرفانی اور منفور وزہر آلود دونوں طرح کے ماحول کا سامنا رہا ہے۔ ثقافت وہنر اور فکر وادب کو بھی آب وہوا کی طرح نہ کبھی سیاسی وجغرافیائی سرحدوں کی شناخت رہی ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔ صدیاں گزر گئیں لیکن یہ انسانی دنیا اپنی تمام عظمتوں اور بزرگیوں کے باوجود ایک "چھوٹے عالمی گاؤں" کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ ہندوازم وبودائیت اور عیسائیت واسلام ہوا کی لہروں کی طرح کبھی مشرق سے مغرب اور کبھی شمال سے جنوب کی طرف جاتے آتے رہے۔ مثال کے طور پر اشوک کے دور حکومت میں بودائی مذہب تقریباً پورے ہندوستان پر چھایا ہوا تھا۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ مشرق اور مغربی ایشاء کی طرف بڑی تیزی کے ساتھ قدم بڑھارہا تھا۔ لیکن دوبارہ کچھ ایسے حالات رونما ہوئے کہ ہندوستان میں بودائی مذہب ناپید ہوگیا اور اس کی جگہ ہندوازم نے حاصل کرلی اور بودائی مذہب نے مشرقی ایشیاء کا راستہ اختیار کرلیا۔ اسی طرح مکاتب فکر بھی آتے جاتے رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے دوران اشتراکیت کی مقبولیت کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا لیکن موجودہ دور میں اس کا غلبہ ختم ہوتا جارہا ہے۔ پس ثقافتی، مذہبی، ہنری، علمی اور فلسفی شعبوں میں رونما ہونے والی تبدیلیاں درحقیقت فطری ہیں اور آب وہوا میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی طرح انسان کے عرفانی اور معنوی ماحول حیات کو تبدیل کردیتی ہیں اور تبدیلی کا یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ فکرو ہنری کی آمدورفت میں آزادی انسان کے معنوی ماحول زندگی کے عوامل میں رونما ہونے والی دگرگونی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس تدریجی وفطری تبدیلی کے ساتھ ہی ساتھ کبھی کبھی فطرت کی طرف سے ہونے والے حملات مثلاً فطری مصائب ومصیبت، سیلاب وطوفان وآتش فشاں وغیرہ کی وجہ سے انسان کو اپنی جگہ سے منتقل ہونا پڑا ہے اور ان فطری مصائب وآلام کی وجہ سے انسان بہر حال آوارہ وطن رہا ہے۔ بادشاہوں کے حملات اور کبھی کبھی بعض بادشاہوں کے ذریعہ مذہب اور قومیت کے ناجائز استعمال کو کسی قوم کے مذہبی اور ثقافتی کھاتے میں ہرگز درج نہ کرنا چاہئے۔

اکثر افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام دنیا میں تلوار کے زور سے پھیلا ہے جبکہ جنوبی ومشرقی ہندوستان کے صوبوں، مالدیپ، الجزائر، انڈونیشیا، ملیشیا، چین کی مغربی سرحد اور افریقہ و امریکہ کے وسیع علاقوں میں کسی مسلمان سپاہی کے قدم نظر نہیں آتے ہیں، ان علاقوں میں اسلامی ثقافت کا وجود

انسانی زندگی کے ماحول میں روحانی اسباب و عوامل کہ وجہ سے رونما ہونے والی فطری تبدیلیوں کا نتیجہ ہے۔ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عشق اور عقیدہ کو نیزہ کی نوک یا تلوار کی دھار کے ذریعہ لوگوں کے دل میں جگہ دی جاسکتی ہے وہ در حقیقت غلطی پر ہیں۔ طاقت کے متوالوں اور ظالموں پر دل کے دروازے بند ہوا کرتے ہیں۔ قرآن مجید کا ارشاد گرامی ہے۔" لااکراہ فی الدّین۔" بنیادی اعتبار سے دیکھا جائے تو دل، دین اور عقیدہ کسی قسم کی زبردستی کا متحمل نہیں ہے بلکہ اس کو بڑی سختی سے رد کر دیتا ہے۔ دل وہ تنہا قلعہ ہے جس پر نیزہ کی نوک، میزائل بارانی اور بم کے دھماکوں کے ذریعہ فتح نہیں حاصل کی جاسکتی ہے۔

اس آیۂ مبارکہ نے تو فقط ایک واقعہ کی خبر دی ہے لیکن طاقت کے سہارے یا ظلم و زیادتی کے ذریعہ کسی کے دل میں اسلام ایک طویل عرصہ تک باقی رہنے والا نہیں ہے۔ مثال کے طور پر آپ یونان کا حال دیکھ لیجئے جہاں مسلمان کئی صدیوں تک زندگی بسر کرتے رہے ہیں لیکن صورتحال یہ ہے کہ آج یونان کے مرکزی شہر ایتھنس میں کوئی مسجد موجود نہیں ہے جہاں لوگ فریضۂ نماز ادا کر سکیں۔ انسان کو جنگ و جدال اور قتل و غارتگری کے بجاے ہمیشہ ایسی فضا اور ایسے ماحول کی تخلیق و ایجاد میں سرگرم رہنا چاہئے کہ انسان اس امن و سلامتی آمیز ماحول میں خوشحال زندگی بسر کر سکے اور اس کے لئے مادی و معنوی ترقی کی راہیں بھی ہموار ہوں اور جنگ و خونریزی سے پرہیز اختیار کرتے ہوئے عدل وانصاف کی قربت کا شرف حاصل ہوتا رہے۔ مجموعی ہلاکت پیدا کرنے والے ایٹمی بایولاجیکل وکیمیاوی اسلحوں کی پیداوار بڑھانے والوں میں اتنی طاقت و صلاحیت کہاں ہوتی ہے کہ وہ امن و سلامتی کا ماحول پیدا کر کے پاک و پاکیزہ ماحول میں انسانوں کو پرامن زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کر سکیں۔

انسانی معاشرہ کو آج پہلے سے کہیں زیادہ حضرت پیر محمد شاہ اور مولانا رومی جیسی عارفانہ شخصیتوں کی ضرورت ہے۔ حضرت پیر محمد شاہ نے اپنی زندگی میں اعلیٰ انسانی قدروں کی عظمت و سربلندی کی راہ میں غیر معمولی کوشش انجام دی۔ انھوں نے انسانی روح کو آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک و پاکیزہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ان کی وفات کے بعد آج ان کی درگاہ سے وابستہ کتابخانہ واسپتال اور تعلیمی مراکز کے ذریعہ ضرورت مند طالب علموں کو وظیفہ وغیرہ کی فراہمی کے ذریعہ

انسانوں کے زخم پر مرہم رکھنے کی کوشش جاری ہے تاکہ انسانی معاشرہ علم کی برکتوں سے منور ہو جائے اور جہالت، ناخواندگی اور اخلاقی مفاسد و گندگی کا کام تمام ہو جائے مولانا روم نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ عارف حضرات آزاد منش ہوتے ہیں اور انسان کی معنوی و عرفانی زندگی میں یہ پانی کا کردار ادا کرتے ہیں۔

گرنبودی این پلیدیهای ما — کی بُدی این بارنامه آب را
یابریزد برگیاه رسته ای — یابشوید روی رونا شسته ای
یابگیرد برسراو حمّال وار — کشتئ بی دست وپا را در بحار
صد هزاران داروان‌دروی نهان — زانکه هردارو بروید زو چنان
جان هر دُرّی دل هر دانه ای — میرود در جو چو داروخانه ای
زویتیمان زمین را پرورش — بستگان خشك را از وی روش

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے دوران لاکھوں لوگوں کے قتل کے بعد عالمی سطح پر بہت سی تنظیمیں ابھر کر سامنے آگئیں حالانکہ تہذیب و تمدن کے اعتبار سے ان میں نقص بھی موجود تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد دائمی عالمی عدالت گاہ اور ادارہ اقوام عالم نامی دو بڑی تنظیمیں منظر عام پر آئیں اور دوسری عالمی جنگ کے بعد تنظیم اقوام متحدہ اور عالمی قانونی عدالت گاہ کی تشکیل عمل میں آئی۔ حال ہی میں بشریت کے خلاف جنگی جرائم کی روک تھام کے لئے نئی عالمی عدالتی تنظیمیں بھی بنائی گئی۔ جنگی جرائم کی سماعت کے لئے تشکیل شدہ عالمی عدالت گاہ کے آئین کو ممبر ممالک نے روم میں پاس کیا لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ دنیوی معاملات دوبارہ دوسری راہ پر لگے ہوئے ہیں اور چند صدی قبل کے انسان کی طرح "شکایت کرنے والے یعنی شاکی" فیصلہ کرنے والے قاضی اور فیصلے کو عملی جامہ پہنانے والے حاکم ان تینوں کے درمیان تال میل ساپید اہو گیا ہے اور اسی بنیاد پر عالمی دہشت گردی کی بھی بھرپور مذمت کی جارہی ہے اور یہ سب کچھ ایسے ماحول میں کیا جارہا ہے کہ جمہوریت و مدنیت کے دعویدار خود ہی جرم کے اسناد و مدارک فراہم کرتے ہیں، خود ہی فیصلہ کرتے ہیں، خود ہی حکم صادر کرتے ہیں اور خود ہی مجرم اور بے گناہوں کو ایک ساتھ سزا دے رہے ہیں۔ سزا بھگتنے والوں میں وہ لاکھوں افراد بھی شامل

ہیں جن کا جرم سے کوئی سروکار نہیں رہا ہے۔ کیا یہی عالمی تمدن اور جدید عالمی تمدن کی نمائش ہے؟ اور عملی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس بربریت اور دہشت گردی کے درمیان کیا فرق ہے؟ دنیائے بشریت کی اکثر مشکلات اور پریشانیوں کی بنیادی وجہ قومی علاقائی اور عالمی سطح پر اقوام عالم کے معاملات میں بڑی طاقتوں کی مداخلت ہے۔ درحقیقت بڑی طاقتیں چھوٹے ممالک اور وہاں کی ثقافت اور مذاہب و تمدن کو اپنے کھلونے کی طرح استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت گزشتہ نصف صدی سے مشرق وسطیٰ کے سینے پر اور گذشتہ دو دہائیوں سے مغربی اور مرکزی ایشیاء کے جسم پر جو زخم دکھائی دے رہے ہیں وہ انھیں مداخلتوں کا نتیجہ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ۲۰۰۱ء کو مختلف تمدنوں کے درمیان گفتگو کا سال قرار دینے کے بعد یونسکو کو ایک ایسے عالمی کنونشن کی تشکیل کا اہتمام کرنا چاہئے جس کے ذریعہ یہ دیکھا جاسکے کہ بڑی طاقتیں کس طرح اور کس حد تک دنیا کے مختلف مذاہب اور تمدنوں کو اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی خاطر استعمال کر رہی ہیں اور اس عالمی کنونشن کے ذریعہ اس شرمناک حرکت پر فوری پابندی عائد کردی جانی چاہئے۔

ظہور اسلام سے قبل ہندوایران تعلقات:

درحقیقت ظہور اسلام سے قبل ہندوایران تعلقات کی نشاندہی رگ وید، اوستا اور دونوں ملکوں کی دیگر قدیم و باستانی کتابوں میں موجود داستانوں سے بخوبی ہو جاتی ہے۔ کلیلہ و دمنہ اور دیگر قدیم کتابوں میں جو داستانیں محفوظ ہیں ان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی ولادت سے تقریباً دو ہزار سال قبل سے دونوں ملکوں کے درمیان ثقافتی روابط موجود تھے اور جب آریائی خاندان کے دو بڑے گروہوں نے مرکزی ایشیاء کے صحراؤں کو خیرباد کہتے ہوئے ایران اور ہندوستان میں سکونت کا فیصلہ کیا تو انمیں سے ایک جماعت سرزمین ایران اور دوسری جماعت ہندوستان میں آباد ہو گئی۔

رگ ویدا میں ایران کا ذکر اور اوستا میں ہند کا تذکرہ، فارسی اور سنسکریت کے درمیان مشترک الفاظ کی فراوانی، دونوں ملکوں کے باستانی ادب میں مشابہ داستانوں اور افسانوں کا وجود، پنچ تنتر نامی کتاب کا پہلوی زبان میں ترجمہ، بادشاہ ایران خسرو پرویز کے دربار سے پادشاہ دکن کے دربار میں سرکاری وفد کا آنا اور ''شطرنج'' نامی کھیل سے ایرانیوں کو متعارف کیا جانا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کی

روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان اور ایران کے درمیان قدیم زمانہ سے ہی قریبی دوستانہ تعلقات موجود تھے۔

استاد رضا جلالی نائینی نے "اوپانیشاد" نامی کتاب کے مقدمہ میں، جس کا ترجمہ داراشکوہ نے کیا تھا اور جو ڈاکٹر تاراچند، سابق سفیر ہند در ایران کی خصوصی توجہ کے نتیجے میں زیور طبع سے بھی آراستہ ہو چکی ہے، تحریر فرمایا ہے کہ ہند و ایران کی قدیم زبانوں کے درمیان غیر معمولی مشابہت پائی جاتی ہے اور مشترکہ مفہوم و تلفظ کے حامل الفاظ بھی کثیر تعداد میں موجود ہیں جن کو نگاہ میں رکھتے ہوئے بڑے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں زبانوں پر مکمل مہارت کے بغیر قدیم فارسی اور سنسکریت کا مطالعہ ناممکن ہے۔ دونوں زباونوں کے دستوری اور قواعدی ڈھانچے میں بھی زیادہ اختلافات نہیں پائے جاتے۔ دونوں موجودات کے درمیان مماثلث اور یگانگی زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ اوستا کے باطنی حصے میں ایسی ادبیات بھی پائی جاتی ہیں کہ تلفظ میں قدرے تبدیلی کے بعد دوتوں کو قابل فہم زبان میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال فارسی قدیم اور سنسکریت میں مشترکہ الفاظ کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ایسے ہزاروں الفاظ پائے جاتے ہیں جو ہند و آریائی خاندان کی زبانوں میں بالکل مفقود ہیں۔

ظہور اسلام کے بعد ہند و ایران تعلقات:

مذہب اسلام کے ظہور کے بعد ایران اور ہندوستان کے درمیان باہمی روابط میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ عربی زبان میں موجود نئے افکار و خیالات کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا اور اس دور کا ادب و ہنر عربی و اسلامی ثقافت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہنری و ادبی سرمایہ پورے مشرقی ایشیائی علاقے میں پھیل گیا۔ اکثر مورخین نے ہندوستان میں اسلام اور فارسی زبان کی آمد نیز اس کی وسعت و مقبولیت کے سلسلے میں محمد بن قاسم اور محمود غزنوں کے حملات کو غیر معمولی اہمیت دی ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان دو حکمرانوں کے لگاتار حملوں کی وجہ سے اس علاقے میں اسلام اور فارسی زبان کا بول بالا ہو گیا۔ لیکن دونوں علاقوں کے درمیان تجارتی، ثقافتی اور لسانی روابط کی گہرائی و وسعت یہ دعوت فکر دے رہی ہے یہ فوجی کمانڈروں کے بس کی بات نہیں ہے یا کسی ایک زبان کے حاکموں کی حمایت و پشت پناہی کا نتیجہ نہیں ہے موجودہ اور ہندوستان میں یہ بات اور

زیادہ تاکید کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کیونکہ موجودہ حکمرانوں کو "قومی زبان" کی حیثیت سے کسی ایک مخصوص زبان کو پورے ہندوستان میں کیسی کیسی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ایران عظیم جس کی مملکت کا دائرہ مغربی و مشرقی ایشیاء، مرکز ایشیاء کے اکثر علاقوں نیز خلیج فارس تک پھیلا ہوا تھا اور جو مختلف جغرافیائی علاقوں کے درمیان ارتباطی پل کا کام انجام دے رہا تھا۔ اس زمانے میں آمدورفت اور حمل و نقل کے لئے دریائی اور ہوائی راستوں کی تحقیق نہیں ہوئی تھی پھر بھی عالمی سیاح جادہ ابریشم یعنی Silkroute کا استعمال کر رہے تھے اور ایران افراد کی نقل و حرکت اور سازو سامان کے حمل و نقل کے سلسلے میں ایک پل کی حیثیت رکھتا تھا اور فارسی زبان کو مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے دانشمندوں کے درمیان رابطہ کی زبان کا درجہ حاصل تھا۔ ہندو چین، مشرقی ایشیاء کے افکار و عقائد ایک طرف اور مغربی یونانی و عرب دانشوروں کے نظریات دوسری طرف فارسی زبان کے ذریعہ دنیا کے مغربی اور مشرقی علاقوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تبدیل ہو رہے تھے اسی وجہ سے فارسی زبان کو خصوصی اہمیت حاصل ہو گئی اور یہ زبان دوسری زبانوں کے مقابلے میں زیادہ پھلی پھولی۔ ہندوستان پر حکومت کرنے والے ترک زبان بادشاہوں نے اس زبان کی اہمیت اور پورے ہندوستان میں اس کی مقبولیت کو محسوس کرتے ہوئے اس سرکاری اور عمومی زبان کا درجہ عطا کیا تھا۔

بہر حال ہندوستان میں اسلام کی آمد سے قبل بھی فارسی زبان محدود دائرہ تک ہی سہی لیکن علاقے میں رابطہ کی زبان' کا کردار کر رہی تھی۔ ابو معشر خراسانی نے سفر ہند کے بعد علم نجوم پر جو کتاب لکھی ہے اور ابو منصور موفق بن علی ھروی نے "الابینہ فی الحقایق الادویہ" نامی کتاب در حقیقت ہندوستان میں لکھی گئی نثر لیکن فارسی کا بہترین نمونہ ہیں اور ان کتابوں سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام کی آمد سے قبل بھی ہندوستان اور ایران کے درمیان گہرے ثقافتی روابط رہے ہیں اور یہ زبان اس علاقے میں Linguafraca کی حیثیت سے رائج رہی ہے اور اس نے مغل دور حکومت کے دانشمندوں اور شاعروں کو اس بات پر مجبور کر دیا کہ اگر وہ اپنے اشعار کی مقبولیت اور اپنے علمی افکار و عقائد کی ترویج و اشاعت کے خواہاں ہیں تو فارسی زبان کا انتخاب کریں۔

☆☆☆☆☆